کنویں کا راز

عمیرہ لطیف

''اب ہم واپس کیسے جائیں گے؟'' حماد کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''یہاں بھی کوئی ایسی چیز ہوگی، جو دیوار کو ہٹا دے گی۔'' وہ سب اُدھر اسی طرح کا سیاہ پتھر ٹارچ کی روشنی میں ڈھونڈنے لگے، مگر وہاں ایسا کوئی نشان نہیں تھا۔

''مرو، اب یہاں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔'' حماد نے بھرّائے ہوئے لہجے میں کہا۔

پریشان تو وہ سب ہی ہوگئے تھے۔ سرنگ میں اب گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کافی دیر پتھریلے دروازے سے زور آزمائی کرتے رہے، مگر انھیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

''ہمیں یہاں ٹھہرنے کے بجائے آگے راستہ تلاش کرنا چاہیے۔'' ابراہیم نے مشورہ دیا۔

''میں نہیں جاؤں گا، ابو اور دوسرے لوگ ہمیں ڈھونڈتے ہوئے آ گئے تو ہم شور مچا کر انھیں بتا سکتے ہیں کہ ہم یہاں پھنس گئے ہیں۔'' حماد نے جواز پیش کیا۔

''انھیں کبھی خبر بھی نہیں ہوگی کہ کنویں کے اندر دروازے کے پیچھے کوئی خفیہ سرنگ بھی ہے۔ وہ اوپر سے جھانک کر ہی تسلی کر لیں گے کہ بچے اِدھر نہیں آئے اور واپس چلے جائیں گے۔'' جوزف نے کہا۔

سرنگ میں چمکتے پتھروں کی روشنی مدھم تھی، اس لیے انھوں نے ٹارچ جلائے رکھی۔ وہ سب آگے بڑھنے لگے۔ حماد بھی حوصلہ کر کے ان کے ساتھ ہولیا۔ وہاں اس کا اکیلا کھڑا رہنا بے کار تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے، گھٹن اور حبس کا احساس بھی بڑھ رہا تھا۔ سرنگ کی چھت پر بڑی بڑی مکڑیوں نے جالے بنا رکھے تھے۔ چلتے چلتے وہ تھک گئے، مگر راستہ ختم نہیں ہو رہا تھا۔

''حیرت ہے حبس اور گھٹن ہے، مگر سانس لینے میں کوئی دِقّت نہیں ہو رہی ہے۔'' ابراہیم نے حیرت سے کہا۔

''ہوسکتا ہے، کوئی ایسا میٹریل یا پتھر استعمال ہوئے ہوں، جو دم گھٹنے سے بچاتے ہوں۔ سائنس نے اتنی ترقی کر لی، مگر آج تک اہرام مصر کے راز جان نہیں سکے کہ اتنے بڑے بڑے پتھروں کا اتنا بلند اہرام کیسے بنایا؟'' ذیشان نے تبصرہ کیا۔

جوزف ان سب سے آگے تھا۔ وہ اچانک رک گیا۔ اس کے پیچھے چلتے چلتے وہ سب بھی ٹھٹک کر رک گئے اور ان سب کا منھ کھلا رہ گیا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ وہاں

درمیانی جسامت کا ایک بھورے رنگ کا سانپ گولائی میں سر نیچے کیے نظر آیا۔

''اس کو چھیڑے بغیر آہستہ سے اس کے پاس سے گزر جاؤ۔'' جوزف نے سرگوشی کی اور وہ سب دم سادھے خاموشی سے اس کے پاس سے گزر گئے۔ کافی دور آنے کے بعد انھوں نے شکر ادا کیا۔

''مجھے لگتا ہے، یہ سرنگ آہستہ آہستہ اونچائی کی طرف جا رہی ہے۔ چلتے چلتے اب میری سانس پھول رہی ہے۔'' ذیشان بولا۔

''ہاں یہ غیر محسوس طور پر آہستہ آہستہ اونچائی کی طرف بڑھ رہی ہے۔'' فراز بولا۔

''یہ کیا پتھر ہی پتھر قدموں میں آ رہے ہیں۔'' ابراہیم نے ایک چھوٹے سے پتھر پر پاؤں رکھا تو لڑکھڑا گیا تھا۔

اچانک حماد نے نیچے جھک کر ایک پتھر اُٹھایا اور حیرت سے بولا: ''یہ تو سونے کے پتھر ہیں۔''

''کیا.....'' وہ سب ایک دم ٹھٹک کر رک گئے اور پتھر اُٹھا اُٹھا کر دیکھنے لگے۔

''یہ تو واقعی سونے کے ہیں۔'' جوزف نے مسرت آمیز انداز میں چیختے ہوئے کہا۔

ابھی وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک ایک پتھر کا جائزہ ہی لے رہے تھے کہ حماد چیخا: ''بھاگو، یہاں پر بچھو ہیں اور ایک دو نہیں بہت زیادہ ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے حماد نے بھاگنا شروع کر دیا اور ان سب کی نظریں بھی پتھروں میں رینگتے بچھوؤں پر پڑ گئی تھیں۔ وہ سب تیزی سے بھاگنے لگے۔

کافی دیر بھاگنے کے بعد اچانک وہ سب رک گئے۔ سرنگ کا دوسرا سرا نظر آ رہا تھا۔ ان کے منھ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ آگے ایک بہت بڑا ہال تھا اور اس کی چھت بہت اونچی اور کافی بوسیدہ تھی۔ چھت کی درزوں میں سے سورج کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ وہاں عجیب سی بساند آ رہی تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ ہم قلعے کے کھنڈرات میں آ گئے ہیں۔'' حماد کو کچھ تسلی ہوئی۔

''مگر ہم یہاں سے باہر کیسے نکلیں گے؟'' ذیشان پریشانی سے بولا۔

''یہاں تو نہ کوئی دروازہ ہے نہ کوئی راستہ۔'' فراز کو پھر سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ ہال چاروں طرف سے بند تھا نہ کوئی روشن دان تھا، نہ کوئی کھڑکی تھی۔

''اس میں بھی یقیناً کوئی خفیہ راستہ ہوگا، اسی لیے دروازہ نہیں رکھا گیا۔'' ابراہیم نے غور سے جائزہ لینے کے بعد کہا۔

''مگر ہم وہ خفیہ راستہ کیسے ڈھونڈیں گے؟'' حماد جھنجھلا کر بولا۔

''اب تو سب لوگ ہمیں ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ چار بج چکے ہیں۔'' حماد کو نئی پریشانی لاحق ہوئی۔

وہ پانچوں کافی دیر تک وہاں گھوم پھر کر وہ خفیہ راستہ ڈھونڈتے رہے، مگر کافی

تلاش کے بعد بھی ناکامی پر وہ تھک ہار کر وہاں بیٹھ گئے۔ انھیں اب بھوک پیاس بھی ستا رہی تھی اور وہاں سے نہ نکلنے کا خدشہ بھی ستا رہا تھا۔

''دیکھو دوستو! تمھیں وہ واقعہ یاد ہے ناں جب تین مسافر آندھی طوفان میں ایک غار میں پھنس گئے تھے اور غار کے دہانے پر ایک بہت بڑا پتھر گر گیا تھا۔ اس وقت انھوں نے اپنی اپنی نیکیاں یاد کر کے اللہ سے دعا مانگی تھی تو ان کی غائبانہ مدد ہوئی تھی۔ دعا مانگ کر انھوں نے زور لگایا تو پتھر ہٹ گیا تھا۔ اگر اللہ نے ہماری جان بچا کر ہمیں یہاں تک پہنچا دیا ہے تو ہم اِدھر سے بھی نکل جائیں گے۔ بس دعا مانگو۔'' ابراہیم نے تسلی دینے والے انداز میں چھوٹی سی تقریر کی، کیوں کہ وہ سب بہت اُداس، پریشان اور مایوس بیٹھے تھے۔

''ہمارے شہروں میں گنجان آبادی کی وجہ سے گھروں کے پھیلاؤ اور درختوں کے کٹاؤ کی وجہ سے اور ٹریفک کے دھویں سے معصوم پرندے بے حال رہتے ہیں۔ انھیں پانی بھی نہیں ملتا، اس لیے میں روز صبح شام دو کٹوریوں میں پانی بھر کر اپنی چھت پر رکھتا ہوں اور پرندوں کو دانہ بھی ڈالتا ہوں۔ شاید یہ میری چھوٹی سی نیکی قبول ہو جائے۔'' فراز نے بتایا۔

فراز کے بعد جوزف نے بولنا شروع کیا: ''ہمارے چرچ کے پیچھے غریب لوگوں کی چھوٹی سی آبادی ہے۔ جب ہم وہاں سے گزر کر اسکول جاتے تھے تو ان کے میلے کچیلے کم زور سے بچے بڑی حسرت اور دکھ سے ہمیں دیکھا کرتے تھے۔ جیسے وہ بھی اسکول جانا چاہتے ہوں، پڑھنا چاہتے ہوں، مگر بے بس ہوں۔ میں اور میرے محلے کے تین چار لڑکے مل کر نئی کلاسوں کے طالب علموں سے پرانے سال کی کتابیں جمع کرتے ہیں اور ان بچوں کو جا کر دیتے ہیں۔ ان بچوں کے والدین سے اجازت لے کر اب ہم روز شام کو وقت نکال کر ایک ایک گھنٹہ انھیں پڑھاتے بھی ہیں۔ وہ ہمارے کھیلنے کا وقت ہوتا ہے، مگر

ہم اسے کھیل میں ضائع نہیں کرتے، ایک اچھے مقصد میں لگاتے ہیں۔ شاید خداوند کو ہماری یہ نیکی پسند آ جائے۔''

فراز، ذیشان ابراہیم اور حماد بڑی حیرانی سے جوزف کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ اتنی اچھی دوستی کے باوجود زندگی کے یہ پہلو ایک دوسرے سے چھپے ہوئے تھے یا چھپائے گئے تھے۔

''ہمارے گھروں کے پاس ایک بزرگ میاں بیوی رہتے ہیں۔ وہ ہمارے ہمسائے بھی ہیں اور محلے دار بھی ہیں۔ وہ بے اولاد ہیں، یعنی ان کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ ان کے گھر کا سودا سلف، بل اور دوا وغیرہ لاکر دینے کے سارے کام میں کرتا ہوں۔ اگر ان کا بیٹا ہوتا تو شاید وہ کرتا۔ وہ لوگ مجھ سے بہت خوش ہیں اور مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھتے ہیں۔ یہ بھی نیکی ہے۔'' ذیشان نے آہستگی سے بتایا۔

ابراہیم نے بتانا شروع کیا: ''تم لوگ مجھے کنجوس سمجھتے ہوناں! میں اپنی پاکٹ منی بہت کم خرچ کرتا ہوں۔ کینٹین میں بھی بہت کم چیزیں لیتا ہوں۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ سب منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں ان پیسوں کے جوتے خریدتا ہوں۔''

''کیا.....؟'' ان سب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ سب حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں ایک دفعہ سخت گرمی میں اکیڈمی سے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں میرا جوتا ٹوٹ گیا۔ مجھے ننگے پاؤں چلچلاتی دھوپ میں تپتی سڑک پر چل کر گھر آنا پڑا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ جو ننگے پاؤں بھیک مانگتے بچے، کوڑا کرکٹ اکٹھا کرنے والے، غبارے بیچنے والے اکثر ننگے پاؤں یا ٹوٹے ہوئے جوتے پہنے ہوتے ہیں، وہ کیسی تکلیف سے گزرتے ہوں

گے۔ اب میں ان کے لیے جوتے خریدتا ہوں۔ میرا بیگ بھی اسی لیے اتنا بڑا ہے۔ میں اس میں ہمیشہ ایک نیا جوتا خرید کر رکھتا ہوں۔ جہاں ننگے پاؤں یا ٹوٹی چپل میں کوئی غریب بچہ نظر آ جائے، اس کو وہ جوتا پہنا دیتا ہوں۔ تم لوگ ہمیشہ میرے بیگ کا بھی مذاق اُڑاتے ہو۔ میں ہمیشہ ہنس کر ٹال جاتا تھا۔'' ابراہیم نے کہا۔

''اُف۔'' اچانک جوزف اُچھلا۔

''کیا ہوا؟'' ابراہیم نے پوچھا۔ وہ سمجھا اس کی کہانی سن کر چونکا ہے۔

''میرے ہاتھ پر موٹے سیاہ چیونٹے نے کاٹا ہے۔'' جوزف کھسیا کر بولا تو وہ سب ہنس پڑے۔ وہاں زمین پر موٹے سیاہ چیونٹوں کا شاید گھر تھا۔

اب وہ سب حماد کو دیکھنے لگے، اب اس کی باری تھی۔

حماد شرمندہ شرمندہ سا بیٹھا ان سب کو دیکھ رہا تھا: ''مجھے تو اپنی کوئی ایسی نیکی یاد نہیں آ رہی جو میں نے مستقل کی ہو یا کبھی کبھار ہی کی ہو۔'' اس نے اٹک اٹک کر افسوس سے کہا: ''ہاں، مگر گناہ سے بچنا بھی تو ایک نیکی ہے۔ شیطان کے آگے سر کو نہ جھکانا بھی تو جہاد ہے، ایک دفعہ نائن کلاس میں ٹیسٹوں میں میرے نمبر بہت کم آئے تھے تو میرا جیب خرچ بند ہو گیا۔ امی ابو سخت ناراض تھے۔ ان دنوں گراؤنڈ میں کھیلتے ہوئے میرا بیٹ ٹوٹ گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ امی پیسے دیں تو میں نیا بیٹ خرید لوں۔ اگلے دن ہمارا مخالف ٹیم سے فائنل میچ تھا، مگر امی نے پیسے نہیں دیے۔ دادا ابو کے پاس گیا تو وہ کہیں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے، مگر ان کے کمرے کی الماری کے دراز میں مجھے بہت سے پیسے ملے۔ مجھے شیطان نے بہت بہکایا کہ اتنے پیسوں میں سے تھوڑے سے لے لوں گا تو کون سا کسی کو پتا چلے گا، مگر دل نے کہا کہ یہ تو چوری ہو جائے گی۔ اللہ میاں تو دیکھ رہے ہیں ناں۔ تو میں اس بہکاوے میں نہیں آیا اور میں نے اپنا فائنل میچ چھوڑ دیا، مگر چوری نہیں

کی۔'' حماد نے بتایا۔

سب نے حماد کے لیے تالیاں بجائیں، کیوں کہ وہ شرمندہ شرمندہ سا بتا رہا تھا۔ سب کے اتنے اچھے کاموں کے آگے اسے یہ بہت معمولی بات نظر آ رہی تھی، مگر دوستوں کی تالیوں نے بتایا کہ یہ اتنا معمولی کام نہیں ہے، بلکہ شیطان کے آگے سر جھکا دینا بُرا کام ہے۔

''اُف میرے خدا۔'' حماد اُچھلا۔ اس کے کندھے پر لٹکتا چچا نوردین کا تھیلا نیچے گرا۔ اس کے کپڑوں پر بھی موٹے سیاہ چیونٹے رینگ رہے تھے۔ وہ اُچھل اُچھل کر ہاتھوں سے جھٹک جھٹک کر اُتار رہا تھا، بلکہ وہ چیونٹے ان سب کے اوپر چڑھ گئے تھے۔

''یہ کیا اب نئی مصیبت آ گئی۔'' ذیشان جھنجلایا۔

''یہ ان کا گھر ہے اور انھیں اپنی سلطنت میں ہماری مداخلت پسند نہیں آئی۔'' جوزف مسکرا کر بولا۔

حماد، چاچا نوردین کے تھیلے سے گرنے والے سامان کو اِکٹھا کرنے لگا۔ یہ ٹیوب ویل کو ٹھیک کرنے والے اوزار تھے۔ ان میں ایک ہتھوڑی بھی تھی۔

ابراہیم نے لپک کر وہ ہتھوڑی اُٹھائی: ''یہ ہے غیبی مدد۔'' وہ مسکرایا: ''ہم اس سے ہال کی اس بوسیدہ خستہ ہال دیوار کو توڑ سکتے ہیں۔'' ابراہیم نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی مسلسل ضربوں سے آخر دیوار ٹوٹ گئی تھی اور اتنا راستہ بن گیا کہ وہ سب وہاں سے باہر نکل آئے۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ سورج غروب ہونے والا تھا۔ وہ سب باہر نکلتے ہی سجدے میں گر گئے اور اپنی جانیں بچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

جب وہ کھنڈرات سے نیچے اُترنے لگے تو ابراہیم کی سرگوشی پر سب ٹھٹک کر رک

گئے: ''وہ ایک ایک سونے کا پتھر جو ہم نے اُٹھایا تھا، وہ تمھاری جیبوں میں ہے ناں؟''

سب نے ہاں میں سر ہلایا۔

''آج سب یہاں وعدہ کرو، جب ہم پڑھ لکھ کر کسی مقام پر پہنچ جائیں گے تب ان کو بیچ کر کسی اچھے مقصد کے لیے استعمال کریں گے۔ اس وقت تک ان کو چھپا کر رکھیں گے۔ اس کنویں کا راز ہم سب کے درمیان ہی رہے گا۔ اس نے ہاتھ آگے کیا اور سب نے اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا۔

جب وہ کھنڈرات سے نیچے اُترے تو ایک بوڑھا آدمی اپنی بھیڑوں کو ہانکتا ہوا وہاں سے گزر رہا تھا۔ ان سب نے اسے سلام کیا۔

بوڑھے آدمی نے نظریں اُٹھائیں۔ سلام کا جواب دیا اور بڑبڑاتا ہوا بھیڑوں کو لے کر چل پڑا: ''پتھر کام نہیں آتے، نیکیاں کام آتی ہیں یاد رکھنا نیکیاں کام آتی ہیں۔''

وہ سب حیران کھڑے رہ گئے۔ وہ بوڑھا آدمی دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑوں کو لے کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

حماد نے کہا: ''اللہ نے ہم پر بہت کرم کیا ہے، ہم ان شاء اللہ اپنے وعدے پر قائم رہیں گے۔''

سب نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

وہ سب حماد کے گھر کی طرف چل پڑے، جہاں ایک زبردست ڈانٹ ان کی منتظر تھی، مگر وہ پھر بھی بہت خوش تھے۔

☆☆☆